جہالت کی ''وحشت گردی''

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور قابل عمل دین ہے۔جس کی تعلیمات میں زندگی کے تمام امور کے اصول،قوانین اور ضوابط وضع کیے گئے ہیں۔جن پر عمل پیرا ہو کر ہم چاہیں تو دنیا اور آخرت دونوں سنوار سکتے ہیں۔اس عالم گیر دین کی یہ اعلیٰ ترین خوبی ہے کہ اس میں انسان کو اچھے،برے،حلال وحرام میں تمیز بتائی گئی ہے۔اللہ تعالی نے برائی اور حرام چیزوں سے اپنے نفس عمارہ کو بچا کر جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ان حرام چیزوں میں شراب اور خنزیر بھی شامل ہیں۔شراب کے استعمال سے صرف صحت کا نقصان ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے نشے میں دھت ہو کر انسان میں حیوانیت آجاتی ہے۔اپنے پرائے،اچھے برے اور دوست دشمن تک کی پہچان بھول جاتا ہے جس سے انسان برائی کی طرف راغب ہوتا ہے۔اسی طرح خنزیر کا گوشت بھی مضر صحت ہے اس کو کھانے والے میں اس کی فطرت اور خواص سرایت کر جاتے ہیں۔ہر شئے دنیا میں اپنی فطرت کے تابع ہوتی ہے ماحول،آب وہوا،خوراک،تہذیب وتمدن،علاقائی رسم ورواج بھی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہے۔خنزیر کی فطرت ہے کہ وہ غلیظ اور ناپاک ہے،جنسی تسکین کے لیے یہ رشتوں کی پہچان بھی بھول جاتا ہے۔کھانے میں دنیا کی ہر چیز حتی کہ اپنا فضلہ تک کھا جاتا ہے۔مگر آفرین ہے ان پر جو اس کو بھی کھا جاتے ہیں۔آج مغربی معاشرے میں بہت سی برائیوں میں خنزیری صفات کی جھلک نظر آتی ہے۔اسلامی جمہوریہ پاکستان جہاں پر اکثریت مسلمانوں کی اور اقلیت جنونی مسلمانوں کی ہے۔یہ دنیا کی واحد ریاست ہے جس میں بسنے والے اکثریت اور اقلیت تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔سب اسی کرپٹ نظام کا حصہ ہیں جہاں حرام کرنا یا حرام کھانے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔مگر "خنزیر" کے معاملے میں سارے یکجا ہو کر اس پر "لعنت" بھیجتے ہیں۔مگر جب ہمارے اعمال کو دیکھا جائے تو اس میں ایسے کئی "افعال" جھلکتے ہیں جو نہ تو "خنزیر" میں نظر آتے ہیں اور نہ خنزیر کھانے والوں میں......!خنزیر یا خنزیر کھانے والوں میں آج تک کبھی قبر کھود کر لاشوں کے ساتھ جنسی تسکین پوری کرنے کا شرمناک واقعہ نہیں دیکھا گیا۔حال ہی میں وطن عزیز میں قبروں سے عورتوں کی لاشوں کو نکال کر ان کی بے حرمتی کرنے کا واقعہ منظر عام پر آیا،پھر اسی شہر میں قبروں سے معصوم بچوں کی لاشوں سے اعضاء کی چوری کا سانحہ بھی رونما ہوا۔اس نوعیت کے متعدد واقعات پہلے بھی رونما ہو چکے ہیں۔آج میڈیا اتنا متحرک ہو چکا ہے کہ ایک منٹ میں خبر ساری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔1987ء میں وزیر آباد میں اسی نوعیت کا واقعہ ہوا تھا جب ایک جنونی عاشق نوجوان نے ایک لڑکی کو دفن ہونے کے کچھ دیر بعد قبر سے نکال کر اس کی لاش سے اپنی جنسی ہوس پوری کی۔مگر اس وقت کے ڈکٹیٹر حکمران کا قریبی رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس کو ذہنی مریض قرار دے کر چھوڑ دیا گیا۔ہمارے ملک میں زندہ لڑکیوں کو دفن بھی کیا گیا،مردہ لڑکیوں کی لاشوں سے زیادتی بھی کی گئی،زندہ انسانوں کو ہلاک کر کے ان کا گوشت کھانے والے وحشی "آدم خور" بھی منظر عام پر آئے یہاں تک کے قبروں سے مردے نکال کر انہیں پکا کر کھانے والے ملزمان بھی میڈیا نے پیش کر دیئے،کتوں کا گوشت بیچنے والے قصاب بھی پکڑے گئے، معصوم بچوں سے زیادتی کے بعد ان کی لاشیں کوڑے کے ڈھیر پر بھی ملیں،نومولود بچوں کا ہسپتال سے اغواء ہونا،جادو ٹونے کرنے والے نام نہاد عامل بھی دیکھے گئے جو اپنی دکان داری چمکانے کے لیے جاہل اور بے شعور لوگوں کو انسانی اعضاء

لانے کو کہتے۔ جس کے حصول کے لیے کچھ لوگوں نے اپنے خونی رشتے داروں کے معصوم بچوں کا خون بہانے میں بھی دریغ نہ کیا۔ اگر ایسے لوگوں کو ذہنی مریض قرار دے کر رہا کرنے کی بجائے ان کو سخت سزا دے کر عبرت کا نشان بنایا جائے تو آئندہ ایسے کئی مریض اس مرض میں مبتلا ہونے سے پہلے اپنے انجام کا سوچ کر ہی "صحت مند" رہنے میں اپنی عافیت سمجھیں گے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی ذی شعور انسان ایسا مکروہ اور گھناؤنا کام کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ حرص، ہوس اور خواہش کی تکمیل کا جنون ہی ہوتا ہے جو ان کو اس حد تک لے جاتا ہے جہاں پر انسانیت ختم ہو جاتی ہے۔ دیکھا جائے تو ہر برائی کے پیچھے ذہنی ہیجان کا مرض ہی کارفرما ہوتا ہے۔ کوئی دولت کی خاطر کسی بھی حد کو پار کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، کوئی شہرت کی بلندیوں کو چھونے کی خاطر لاشوں کے مینار پر بھی کھڑا ہونے سے نہیں گھبراتا، کوئی جھوٹی شان و شوکت، رعب و دبدبے کے لیے ظلم و بربریت کی انتہاء کرنے کو عیب محسوس نہیں کرتا۔ کوئی جنسی ہوس کی تسکین کے لیے زندہ تو درکنار مردہ کو بھی نہیں چھوڑتا۔ ان تمام مریضوں کو کسی بھی قسم کا کوئی قانونی استثناء نہیں ہونا چاہیے۔ مغربی معاشرے میں جہاں جنسی بے راہ روی عام سی بات ہے مگر یہاں پر جنسی آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی کسی سے زبردستی کرے۔ اس میں تو بیوی کی رضامندی کے بغیر میاں جی بھی ہاتھ لگا دیں تو بیوی کی شکایت پر میاں پر قانونی چارہ جوئی ہو جاتی ہے۔ کم عمر اور نابالغ کو بھی قانونی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ میں آج یہ سوچنے پر مجبور ہوں کے چودہ سو برس قبل وہ کفار جن کے عہد کو دورِ جاہلیت کہا جاتا ہے وہ تو صرف بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے لیکن یہ کیسی قوم ہے جو مردہ بیٹیوں کو قبروں سے نکال کر اُن کے ساتھ زنا کی مرتکب ہوتی ہے؟ کیا یہ اُن جاہل کفار سے بھی گئے گزرے ہیں؟ کیا ہمارا ذہنی سفر آگے کے بجائے پیچھے بلکہ بہت پیچھے غار کے زمانے سے بھی پہلے کسی انسان کی طرف جا رہا ہے۔ جہاں مذہب، اخلاقیات، انسانیت، معاشرہ، ریاست اور دوسرے اداروں جیسے کوئی نام نا تھے؟ زندہ لوگوں کی تو بات ہی کیا ہمارے ہاں تو مردے بھی محفوظ نہیں رہے اور خدا جانے کہ آنے والے دنوں میں ہمیں ابھی اور کیا کیا دیکھنا پڑے گا۔ کچے اور پکے گوشت کی حرص اور ہوس میں کچھ لوگ پستی کی اس انتہاء کو پہنچ جاتے ہیں جہاں حیوانیت بھی شرمسار ہو جاتی ہے۔ علمی پستی کی وجہ سے ہم کب تک جہالت کے اندھے کنویں کے مینڈک بنیں رہے گے؟ دہشت گردی کے خلاف دنیا کے مذہب لوگ جنگ لڑنے اور جیتنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں لیکن سوال تو یہ ہے کیا تعلیم عام کیے بغیر کسی بھی قسم کی ''گردی'' کا خاتمہ ممکن ہے تو اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا لیکن ابھی ان عالمی شعبدہ بازوں کی بصارت اور بصیرت اپنے مفادات سے آگے نہیں دیکھ پا رہی۔ ہمارے ملک میں دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑی جا رہی ہے جس میں آج تک 35 000 افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔ مگر "جہالت کی وحشت گردی" کے خلاف آج تک جنگ کا اعلان نہیں کیا گیا جس سے سارا ملک متاثر ہو رہا ہے۔ جہالت اور بے شعوری کی وجہ سے ہم اپنے پرائے، اچھے برے، حرام حلال میں تمیز نہیں کر پا رہے ہماری جہالت سے ایک خاص طبقہ فائدہ اٹھا رہا ہے جو یہ نہیں چاہتا کہ عوام میں شعور بیدار ہو کیونکہ اس طرح ان کی حکمرانی کا دور خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ جہالت ہی ہماری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کے نور سے محروم ہو کر جہالت کے اندھیرے میں بے راہ روی کا شکار ہیں۔ اتنا وقت اور سرمایہ ہم نے دفاعی نظام کو مضبوط اور بہتر بنانے میں خرچ کیا مگر پھر بھی ہم آج دہشت گردی کی لپیٹ میں ہیں۔ اگر کچھ توجہ ہم نے جہالت دور کرنے میں دی ہوتی تو آج ہم اتنے باشعور ضرور ہو چکے ہوتے کہ ہم

"وحشت گردی" کا شکار نہ بنتے۔ پاکستان کے موجودہ حالات اور نظام میں ایک عام انسان کے لیے زندگی ایک عذاب بن گئی ہے۔ کسی کے فوت ہو جانے پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ بیچارے کی عذاب زندگی سے جان چھوٹ گئی۔ کیونکہ قبر میں جا کر اپنے اعمال کا جواب دہ ہونا پڑتا ہے مگر دنیا خاص طور پر پاکستان میں تو غریب عوام کو ہر پل ناکردہ گناہوں کی سزا ملتی ہے۔

مرنے والے کی خاموشی یہ ظاہر کرتی ہے...... کہ عذاب قبر سے بڑھ کر ہے عذاب زندگی

اب تو ہمارے ملک میں مرنے والوں کو بھی چین کی ابدی نیند سے محروم کیا جا رہا ہے۔ شاید اسی موقع کیلئے غالب نے کہا تھا کہ

اب تو گھبرا کہ یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے...... مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے؟

اگر ایسا ہی چلتا رہا اور اس کا سدباب نہ کیا گیا تو وہ دن دور نہیں جب قبرستانوں سے سارے مردے اٹھ کر کوئی احتجاجی ریلی نکال رہے ہونگے۔ اگر انہوں نے ملک میں دھرنا دے دیا تو تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوگی۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو اب اس بارے میں بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کی بنیادی جہالت پر ہے لہذا عوام میں شعور بیدار کرنے کے لیے موجودہ تعلیمی نظام کو بہتر کیا جائے لیکن اُس بہتر کرنے سے "سیانے حکمرانوں" کی اپنی دکانداری بند ہونے کا سو فیصد روشن امکان ہے سو ابھی بہتر نظام تعلیم اور نصاب تعلیم اُن کی پالیسی میں شامل نہیں ہے لیکن افسوس کہ اس کے سوائے اس وحشت گردی کے خاتمے کا کوئی دوسرا طریقہ بھی نہیں ہے۔ ہماری افسر شاہی اور نوکر شاہی سب دوسرے طریقوں سے بخوبی واقف ہیں لیکن تعلیم کیلئے جب بھی کوئی کوشش صرف اس سماج کی بہتری کیلئے کرنا ہوگی تو صرف اور صرف ایک نمبر اور ایک ہی طریقے سے ممکن ہے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہم اپنی ہی جہالتوں کی وجہ سے کسی دن اپنی کسی بڑی حماقت کے پاوں تلے روندے جائیں گے یا پھر اس طرح کے بدترین، خوفناک اور مکروہ افعال کے نتیجہ میں قدرت کی طرف سے ہمیں کسی سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔ یا پھر قدرت یہ سب کچھ ہمیں سزا کے طور پر ہی دکھا رہی ہے اور ہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

sohailloun@gmail.com